انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Regd. No. A. 300
Telephone No. 29
Telegram "ANJUMAN"

چندہ سالانہ [illegible]
ایک پرچہ [illegible]
تاریخ اشاعت [illegible]

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڈھ ۔ ۸ نومبر ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۴۴

مرزا تفتہ

از سید جعفر برکی

منشی ہرگوپال تفتہ غالب کے حلقہ میں ممتاز و منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ ان کے نام غالب کے خطوط ہی تفتہ کا تعارف دوام کے ضامن ہیں لیکن تفتہ صرف پرتو مہر ہی تفتہ و ضیا ساز نہیں۔ ان کا سرمایۂ کمال نو ہزار اشعار کا فارسی دیوان ہے جو دوبارہ ایام غدر میں جمع کر کے لاہور سے چھپ چکا ہے۔

سن چھپ ... میں بس — چہ خالی نسخہ باطبع شد واہ

سکندرآباد جو مرزا تفتہ کا وطن ہے بلند شہر میں کاشتوں کا ... ہے، اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ۔ اس شہر میں اب تک یہ روایت سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہے کہ غالب مرحوم دلی سے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے یہاں جہانگیرآباد گئے تھے تو راہ میں تفتہ کے یہاں قیام کیا تھا۔ اس زمانے میں دو گھوڑوں والی بند گاڑیوں کی ڈاک چلا کرتی تھی اور راہ میں کئی جگہ گھوڑے بدلے جاتے تھے۔

مرزا ہرگوپال کے وجود کی برکت ہے کہ سکندرآباد میں اب تک شعر و شاعری کے قدردان و محرک آج موجود ہیں۔

تفتہ کا دیوان ۵۰۰ صفحات اور ۹۰۰۰ اشعار پر مشتمل ہے جو حصوں میں ہے پانچ دیوان لکھے ... صفحے میں دو نوٹ ہیں، ایک اپنے ... کے شعر اور دوسرا اغیار یا چند شاگرد ... کے انتقال پر۔ پہلے نوٹ میں ساتھ سو شعر ہیں جو تقریباً اکیس فقرے چند میں منقسم ہیں۔ دوسرے نوٹ میں ڈھائی سو شعر ہیں ... داری ہے۔ ... ایک قطعہ ایک صاحب ...

رضی الدین خاں کی مدح میں ہے۔ آخری ۴۴ صفحات میں رباعیات ہیں اور قطعات۔

غزلیات میں تفتہ کا مسلک یہ ہے کہ اساتذہ کی غزلوں پر غزلیں لکھتے ہیں، مثلاً عرفی کی ایک غزل کا مطلع سامنے رکھا اور اس پر اسی زمین میں باہم ملا یا تین اور کبھی کبھی چار غزلیں کہہ ڈالیں۔ غزلوں کا تناسب اس طرح ہے۔ ستر غزلوں میں اسیر کی غزلوں پر ۸۰ غزلیں ہوں گی۔ عرفی کی غزلوں پر دس، ظہوری کی غزلوں پر تین۔ باقی سات غزلوں میں چار غزلیں ایسی ہوں گی جن میں تتبع ظاہر نہیں ہے اور ایک ایک غزل حزین، فیضی اور فغانی کی غزلوں پر ہو گی۔ یہ روش ہمیں شیفتہ کے یہاں بھی ملتی ہے۔ تفتہ کے یہاں سانچے اور ڈھنگ ہوا ہے۔ بدقسمتی سے ان کے یہاں باوجود تخلص کی تابش کے وہ گرمی اور حرارت بھی نہیں جو شیفتہ کے یہاں سانچے کو تھوڑی دیر کے لئے پگھلا دیتی ہے۔ شیفتہ کے اشعار نگینے ہیں جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ بہت ہموار ہیں اور بندش اور روش کے اعتبار سے عموماً بے عیب، وہ اس قدر ہموار ہیں کہ کچھ کھٹکتے نہیں اور یہی ان کی کمزوری ہے۔ تفتہ کے دیوان میں پہنچ کر غزل کی گنگناہٹ اور تنگ ہو جاتی ہے۔ ایک منظم راہرو اور ایک سعادت مند پیرو کی طرح وہ ایک قدم بھی ادھر ادھر سے ہٹ کر نہیں رکھتے لیکن اس سے یہ استنباط کرنا غلط ہو گا کہ تفتہ کی تمام غزلیں سپاٹ ہیں۔ وہ اپنا مخصوص طرز تخیل رکھتے ہیں۔ علاوہ بریں ہر صفحے میں ایک آدھ شعر ایسا ضرور مل جاتا ہے جو توجہ جذب کر لیتا ہے۔ مضامین میں موشگافیاں اور نکتہ سنجیاں کی گئی ہیں جن میں رعایت لفظی اور رعایت خیالی کا حصہ وافر ترتیب ہے۔

ماند دستے کہ از گریباں دور
دامن انفعال می گیرد
کفر نہ گذاریم تا زندہ ایم
کز رگ جان است زنار کیے

تخیل کا حسن دیکھیے۔

نگہ از پشت پا در حشر ہرگز بر نمی خیزد
ز بار معصیت با بسکہ پشت من خمید اینجا

تقابل کا اکثر التزام ہے۔

ز لحد خواب می کنم من پیر — بر لب احسان ز جوانی ہا
از تغافل نگاہ او پیداست — دیدم آشنا دیدن نہانی ہا
از ازل در ہوا ابد با من — شست عہدی و سخت جانی ہا

مضمون آفرینی کی چند مثالیں یہ ہیں۔

بنگر کہ ضعف ما چہ قدر زور داشتہ است
تیغ ملامت ہمہ عالم کشیدہ ایم
آہنگ نالہ کردہ دل و گفت دیدہ ام
پا بہ حال عرش سوق گریستن
می گرد کفر گردم و اینجا جگر و من
دارند اہل دیں بہ من آیا چہ احتیاج

اور نشتر بھی ہیں۔

روز عیدم چہ داد پیر مغاں — کہ صواب صیام گرفت
زدی ای نسیم از فصل گل — نوید جیب و داماں تازہ گرداں
نمک اندر لبت بسیار بوداست — بیا بر سینہ ریشاں تازہ گرداں

فارسی پر تفتہ کی قدرت حیرت انگیز ہے۔ یہ کم و بیش اہل زبان کی فارسی ہے۔ وہ فارسی نرا ہندی نہیں جو غنیمان ہند سے منسوب ہے۔

تفتہ کے دو نوحوں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ در اصل یہ دونوں ان کے پورے دیوان پر بھاری ہیں۔ لڑکے کے غم میں تفتہ ساری نکتہ سنجیاں بھول جاتے ہیں۔ دل پر چوٹ لگتی ہے تو درد بھری صدا نکلتی ہے۔ درد، تاثیر اور سوز ان مرثیوں کی خصوصیات ہیں۔ خوف طوالت مانع ہے۔ ورنہ دونوں نوحے تمام و کمال نقل کر دیے جاتے۔ حافظ کے وہ اشعار بے ساختہ یاد آتے ہیں جو انھوں نے اپنے لخت جگر کی رحلت پر لکھے تھے۔

دلا دیدی کہ آں فرزانہ فرزند — چہ دید اندر خم ایں طاق رنگیں
بجای لوح سیمیں در کنارش — فلک بر سر نہادش لوح سنگیں

رباعیات اور قطعات معمولی ہیں۔

الغرض تفتہ کو فارسی پر بڑا عبور ہے۔ وہ بہت پر گو ہیں اور یا ہجوم قیود کو عاید کر کے کہتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ رسمی اور سپاٹ اشعار کی کثرت ہے۔ تفتہ ان شعراء میں ہیں جن کے یہاں جزو کل سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اگر تفتہ کے نو ہزار اشعار میں سے صرف پانچ سو شعر منتخب کر لیے جائیں تو وہ مجموعہ ان کے دیوان سے کہیں زیادہ گراں بہا ہوگا۔

زر خالص کی قیمت جب ہی بڑھتی ہے جب اسے پگھلا کر الگ کر لیا جائے۔

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ تفتہ کا کوئی شعر اردو زبان میں دستیاب نہیں ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ اردو زبان میں انھوں نے کوئی شعر کہا ہی نہیں۔

پسر کے نوحے کا ایک بند ہے جس کی ردیف ہے "گذاشتی" اور قوافی مجرم، مرہم وغیرہ۔ اس کے دو اشعار پر ان سطور کا خاتمہ کرتے ہیں۔

دستی کہ در تقاضے تو بیداد فتنہ تاخت
ای آہوی جہندہ چرا رم گذاشتی
تو روز جمعہ خانہ ہستی ساختی بہ لہو
بنیاد عمر خویش نہ محکم گذاشتی

دوسرے شعر پر نشان لگے ہوئے ہیں اور حاشیہ پر تفتہ کا یہ افتخار نوٹ ہے۔

ایں عبارت رنگین خامۂ مولانا غالب است

اس سے ایک طرف غالب کے معیار کی بلندی اور ان کے تنقیدی خلوص پر روشنی پڑتی ہے کہ سوا تین سو اشعار میں سے صرف ایک شعر کو لائق اصلاح سمجھا، دوسری طرف تفتہ کی عقیدت مندی ظاہر ہوتی ہے کہ اسی ایک شعر کو اپنے لیے سرمایۂ کمال و سرچشمۂ افتخار سمجھا۔ یہی ظرف تھا جو جستجوئے کمال میں خضر راہ کا کام دیتا ہے۔ فی زمانہ اس کا فقدان ہے جس کے باعث ہر نو مشق خود کو منتہی جانتا ہے۔ ہر قافیہ پیما کو زمرۂ اساتذہ میں شمار کرنے لگتا ہے۔ خامکاروں کی کثرت کا ظرف کی قلت سے براہ راست تعلق ہے۔

ہماری زبان

۸ نومبر ۵۷ء

اُردو ادب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت

یہ ایک حقیقت ہے کہ آزاد ہندوستان میں اگرچہ اردو زبان کے ساتھ ابھی انصاف نہیں ہوا، لیکن اردو ادب کی مقبولیت برابر بڑھ رہی ہے۔ اردو کے ممتاز شاعروں اور ادیبوں کے متعلق ہندی میں ایک خاصی تعداد میں کتابیں چھپ رہی ہیں۔ دوسری ہندستانی زبانیں بھی اس طرف متوجہ ہو رہی ہیں۔ ہندی کے اپنے رسالوں میں اُردو کے شاعروں کی نظمیں، غزلیں، افسانے ہندی رسم خط میں شائع ہوتے ہیں۔ ہندستانی ادب کی خصوصیت کا ذکر آتا ہے تو اردو ادب سے بھی مثالیں دی جاتی ہیں۔ ساہتیہ اکاڈمی اور آل انڈیا ریڈیو جب ہندستانی ادب کا جائزہ لیتے ہیں تو اُردو ادب کی بھی نمائندگی ہوتی ہے۔ مراٹھی، گجراتی، کنڑا میں اردو کے شاعروں کا کلام ترجمہ ہو کر شائع ہوتا ہے۔ اردو کے مشہور شاعروں کے نام ہندوستان میں بیشتر پڑھے لکھے جانتے ہیں۔ ابھی حال میں بمبئی کے ایک تاجر نے جو صرف ہندی اور انگریزی جانتے ہیں دیوان غالب کے ایک خاص ایڈیشن کے لئے تیس ہزار روپیہ دیا ہے۔ یہ ایڈیشن اردو اور ہندی دونوں رسم خط میں شائع ہوگا اور اس پر ایک مفصل مقدمہ اور ضروری حاشیے ہوں گے۔ غالب کے بعد دوسرے شعرا کا انتخاب شائع کیا جائے گا۔ حکومت ہند اُردو کے کئی شاعروں اور ادیبوں کو وظیفے دیتی ہے۔ مرکز کی طرف سے ہر سال ایک انعام بہترین اردو کتاب پر دیا جاتا ہے جو پانچ ہزار روپے کا ہے۔ یو۔پی کی حکومت ہندی کے علاوہ اُردو کی کتابوں پر بھی انعام دیتی ہے۔ مرکز نے علی گڑھ یونیورسٹی کو تقریباً سوا لاکھ روپیہ تاریخ ادب اُردو تیار کرنے کے لئے دیا ہے۔ سارے ملک میں مشاعرے ہوتے ہیں اور ان میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ فلم کی وجہ سے اردو کے کئی اچھے شاعر اور ادیب خوشحال کہے جا سکتے ہیں۔ اردو کے رسالے اور کتابیں پہلے سے زیادہ تعداد میں چھپتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تعداد کافی نہیں، اس میں اور اضافہ ہونا چاہیے۔ مگر اضافے کا احساس بھی ضروری ہے۔ چونکہ خواندگی کے ساتھ ذوق کی تربیت نہیں ہوئی اس لئے سستا ادب بہت عام ہے مگر یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے کہ لاکھوں آدمی اس کے ذریعہ سے اُردو پڑھتے ہیں۔ ادب کی مقبولیت زبان کے ساتھ بے انصافی کو ضرور کم کرے گی۔ جو لوگ بار بار اعلان کرتے ہیں کہ ہندستان میں اُردو فنا ہو گئی انھیں اس حقیقت کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے۔

بہار ریاستی اُردو کانفرنس

یہ کانفرنس ۲ اور ۳ نومبر کو پٹنہ میں ہوئی۔ اس کا افتتاح بہار کے وزیر اعلیٰ سری کرشن سنہا کرنے والے تھے۔ بیماری کی وجہ سے وہ نہ آ سکے۔ جناب شمبھو ناتھ پرشاد سپرو […] ڈی۔ اے۔ وی کالج بنارس نے اس کا افتتاح کیا۔ پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند نے صدارت فرمائی۔ جنرل سکریٹری […] نے اپنی رپورٹ میں شاخ کی چھ سال کی کارگزاری کی روداد پیش […]۔ انجمن کی شاخ بہار میں اُردو کے حق کے لئے برابر جدوجہد کر رہی ہے۔ اس نے دس لاکھ دستخط فراہم کر کے صدر کے سامنے پیش کئے تاکہ اُردو کو بہار کی علاقائی زبان قرار دیا جائے۔ اس کے علاوہ اُردو کی تعلیم، چلن اور مقبولیت […] برابر کوشش رہی ہے۔ صدر نے اپنے خطبہ میں اُردو کی قومی حیثیت پر زور دیا۔ انھوں نے حکومت اور اکثریت کو توجہ دلائی کہ اُردو کے ساتھ انصاف […] کی ترقی ہوگی۔ اُردو دوستوں سے انھوں نے تنظیم و ضبط اور عمل کا مطالبہ کیا۔ دوسرے دن ڈاکٹر سید محمود اور شری پٹیل وزیر صحت ریاست بہار نے تقریریں کیں اور اُردو دوستوں کی پرجوش الفاظ میں ہمت افزائی کی۔ انھوں نے یقین دلایا کہ جیسے جیسے ملک میں تعمیری جدوجہد بڑھتی جائے گی اُردو کے ساتھ اور بہتر سلوک ہوگا۔ ڈاکٹر محمود نے خاص طور پر اپیل کی کہ اُردو کو اور آسان بنایا جائے۔ کانفرنس میں چھ قرار دادیں منظور ہوئیں، سب سے اہم قرارداد میں علاقائی زبان کے مطالبے کو دہرایا گیا۔ ریاستی شاخ کے نئے انتخابات عمل میں آئے۔ اور شب میں ایک مشاعرہ بھی ہوا۔ کانفرنس میں اُردو کی تحریک کے بنیادی مقاصد کو خوبی سے واضح کیا گیا اور بہار میں اُردو کی ترقی کے لئے مفید پیرایہ […] ہوا۔

اردو کانفرنس احمدآباد

احمدآباد کی اردو کانفرنس ۲۰ اکتوبر کو پروفیسر احتشام حسین رضوی کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں شہاب الدین دسنوی صاحب، یحییٰ اعظمی صاحب، بشیر الدین زخمی صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن غازی صاحب نے تقریریں کیں۔ جلسہ میں بیس ہزار سے زیادہ افراد نے شرکت کی۔ ابتدا میں احسان جعفری صاحب نے کانفرنس کے نام پیغامات پڑھ کر سنائے اس کے بعد پروفیسر وارث حسین علوی نے ڈیلی گیٹ سیشن کی منظور کی ہوئی تجویزوں پر روشنی ڈالی۔ صدر کانفرنس نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو کے لئے جب تک کوئی مخصوص علاقہ قرار نہیں دیا جاتا اس وقت تک ہمارے مقصد کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اگر شمالی ہندوستان میں اردو کو اس کا جائز مقام مل جاتا ہے تو پھر بقیہ ہندوستان میں بھی اردو کے لئے حالات موافق ہو جائیں گے۔ کانفرنس میں حسب ذیل تجاویز پاس ہوئیں۔

اردو کو ہندوستان کے مختلف حصوں میں علاقائی زبان منوانے کے مطالبہ کی تائید کرتے ہوئے دسمبر میں منعقد ہونے والی آل انڈیا اردو کانفرنس دہلی کا خیر مقدم کیا گیا اور یہ بھی طے پایا کہ اگر صدر جمہوریہ سے اردو وفد کی مجوزہ ملاقات کے بعد کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہو تو ملک کی تمام جمہوری پارٹیوں اور تعلیمی اداروں کا ایک کنونشن بلایا جائے۔

اردو کا ایک دوسری قومی زبانوں سے زیادہ سے زیادہ قائم کیا جائے اور گجراتی زبان کے مشہور شاعروں کو اردو پڑھنے والوں سے روشناس کرایا جائے۔

اردو کے سب سے پہلے شاعر شمس الدین ولی کے مزار واقع احمدآباد کو ایک قومی یادگار بنانے کی میونسپل کارپوریشن احمدآباد سے اپیل کی گئی اور اس کی انجام دہی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل ہوئی۔

احمدآباد میں پریس کا کاروبار کرنے والوں سے اردو کا ٹائپ پریس قائم کرنے کی درخواست کی گئی اور اس سلسلے میں بھی ایک کمیٹی کا تقرر ہوا۔

طلبہ اور تمام محبان اردو سے اپیل کی گئی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات میں شریک ہوں۔

انجمن ترقی اردو احمدآباد کی ممبر سازی کی کوشش ہو اور ہماری زبان علی گڑھ کے خریداروں کی تعداد بڑھانے کے اقدامات کئے جائیں۔

میونسپل کارپوریشن احمدآباد کے کتب خانوں میں اردو کتابوں کی فراہمی کے طریقے کو غیر تسلی بخش سمجھتے ہوئے ایک کمیٹی اس غرض سے متعین کی گئی کہ وہ کارپوریشن کی کلچرل کمیٹی سے مل کر کتابوں کی مناسب فراہمی کے سلسلے میں کارروائی کرے۔

احمدآباد یا گجرات کے کسی بڑے شہر میں ایک اردو ٹریننگ کالج قائم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ یہاں کے مدرسین کو باہر جانے کی دقت پیش نہ آئے۔

شہر میں ایک اردو ہائی اسکول کی ضرورت کی طرف تعلیمی اداروں کو توجہ دلائی گئی اور انجمن اسلام احمدآباد سے خاص طور پر اپیل کی گئی کہ وہ اپنے ماتحت اسکولوں میں کم از کم ایک سیکشن میں پانچویں سے گیارہویں جماعت تک اردو کو ذریعہ تعلیم بنائے تاکہ ثانوی اسکولوں میں گجراتی ذریعہ تعلیم کی دقت اردو پڑھے ہوئے بچوں کو پیش نہ آئے۔

اردو امتحانات کے لئے وہی ممتحن مقرر کئے جائیں جو اردو جاننے کے علاوہ اس کی باقاعدہ اسناد بھی رکھتے ہوں۔

اردو داں طلبہ کو ان کی خواہش پر اردو میں اعلیٰ تعلیم دلانے کا انتظام کرنے کے لئے انجمن ترقی اردو احمدآباد اور دوسرے تعلیمی اداروں سے اپیل کی گئی۔

محکمہ رسل و رسائل سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے یہاں دوسری زبانوں کے ساتھ اردو کو جگہ دے۔

حکومت بمبئی سے پرزور اپیل کی گئی کہ اردو مدارس کے معائنہ کا کام ایسے لوگوں کے سپرد نہ کیا جائے جن کی زبان اردو نہ ہو جیسا کہ گجرات کے بعض اضلاع مثلاً احمدآباد، پنچ محل میں ہو رہا ہے۔

کانفرنس نے ایک تعزیتی قرارداد منظور کی جس میں سید عزیز حسن بقائی، آزاد سبحانی، آغا محمد طاہر، عابد علی جگرینہ، مولانا احمر پٹنی، اشتیاق مرتضیٰ، مجید لاہوری، آتش کچھوچھوی اور راز مدراسی کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور پسماندگان سے دلی ہمدردی ظاہر کی گئی۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک جدوجہد آزادی میں اردو زبان کی عظیم خدمات کو سراہتے ہوئے اس عرصہ میں شہید ہونے والے اردو ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کی یادگار قائم کرنے کی حکومت سے درخواست کی گئی۔

مراسلات

ہماری زبان

پچھلے دنوں کسی صحبت میں آپ کی تجویز نظر سے گزری کہ ادارہ ہماری زبان کی ضخامت میں مزید اضافہ کرنے کی تجویز پر غور کر رہا ہے۔ میں اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ صفحوں کے اضافہ کے ساتھ اس میں چھپنے والے مواد کی طرف بھی خاص دھیان دینا ضروری ہے۔ میری ناقص رائے میں پرچہ میں جو اضافہ ہو اسے ادبی چیزوں میں صرف کیا جانا چاہئے۔ خاص کر کہانی اور افسانوں کی کمی تو بری طرح محسوس ہوتی ہے اس سے ہماری زبان کی اشاعت میں خود بخود توسیع ہوگی اور پھر لازمی طور پر کمرشل اشتہارات بھی ملیں گے۔

دیش چترکار

جلسہ اور مشاعرہ

عزیز ربانی صاحب عزیز اطلاع دیتے ہیں۔

جونپور میں ایک کل ہند مشاعرہ کوی سمیلن اور ادبی جلسہ ۱۱ر نومبر کو جناب شفیق جونپوری کے اعزاز میں ہو رہا ہے۔ ادبی اجتماع کی صدارت مولانا سعید احمد اکبرآبادی کریں گے۔ اور مشاعرہ کی صدارت حیات اللہ انصاری صاحب اڈیٹر قومی آواز نے منظور کر لی ہے۔

اردو کلب کرنول

۱۳ر اکتوبر کو اردو کلب کرنول میں ایک ادبی مباحثہ منعقد ہوا جس میں ممبروں اور اردو دوست حضرات نے شرکت کی۔ جناب ناصر کرنولی صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کی یہ تجویز منظور ہوئی کہ فراق اور ذکی دونوں اردو دنیا کی قابل احترام ہستیاں ہیں۔ انھیں باہمی جھگڑے بند کر دینا چاہئے تاکہ مکدر فضا جلد ختم ہو۔

اردو انجمن مہارانی کالج میسور

مہارانی کالج میسور اردو انجمن کا افتتاح ۱۷ر اکتوبر ۵۹ء کو ہوا۔ صدارت کے فرائض محترمہ رفعت النساء بیگم نے انجام دیئے۔ افتتاحی خطبہ محترمہ سیدہ خاتون بی۔ اے نے پڑھا جس میں اردو غزل کی روایت اور اہمیت کو واضح کیا گیا تھا۔ انجمن کی صدر ڈاکٹر آمنہ خاتون متوزن کی گئیں۔ جلسہ کے اختتام پر معتمد انجمن نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

رونق آرا بیگم

محترمہ سعیدہ نکہت کی خدمت میں

آپ کا مکتوب ۲۲ر اکتوبر کے "ہماری زبان" میں نظر سے گزرا۔ آپ نے میری تنقیدی تحریروں کو جن حوصلہ افزا الفاظ میں سراہا ہے۔ اُن کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ایک تبصرہ نگار کو کسی کتاب پر لکھتے وقت زیر نظر کتاب کو موضوع بحث بنانا چاہئے نہ کہ مصنف کے فن کو مجموعی طور پر۔ لیکن اگر آپ نے قدم کے کلام کے تمام مجموعوں کو سامنے رکھ کر غور کیا ہوتا تو یہ بات آسانی کے ساتھ معلوم ہو سکتی تھی کہ ان کے کلام کی یکسانیت زیادہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ان کے سب مجموعوں میں ایک ہی انداز کی غزلیں ہوتی ہیں اور خیالات، کیفیات یا اظہار بیان کے اعتبار سے ہم کسی نئی منزل یا نئے موڑ سے دوچار نہیں ہوتے۔ یہ بات اردو کے بعض اور ادیبوں کے یہاں بھی ملتی ہے جن کا میں یہاں نام لینا مناسب نہیں سمجھتا ورنہ "ہماری زبان" میں ایک لمبی بحث چھڑ جائے گی لیکن کنھیا لال کپور کا ایک فقرہ ضرور سنا دینا چاہتا ہوں جو انھوں نے موجودہ دور کے ایک افسانہ نگار کے بارے میں لکھا ہے کہ "ان کے سب افسانے آپس میں نہ صرف ایک دوسرے کے بھائی بلکہ جڑواں معلوم ہوتے ہیں"۔ اب ایسی صورت میں تبصرہ نگار ان کی نئی کتاب کے بارے میں نئی تنقید کہاں سے لائے۔ میرا اس سلسلے میں یہ اصول ہے کہ اس مصنف کے جن پہلوؤں پر اب تک عام لوگوں کی نظریں نہیں جاتی ہیں اس کی طرف متوجہ کر دوں۔ قدم اور خیام کی مماثلت کے سلسلے میں جو بات مجھے مدت سے کھٹک رہی تھی۔ اس کے اظہار کے لئے میں نے اس تبصرے میں ضروری سمجھا کیونکہ میں ان کے کلام کے تفصیلی مطالعہ اور تنقید، تبصرہ یا تجزیہ و تحلیل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

خلیل الرحمن اعظمی

سعدی دکنی

از شیخ فرید برہان پوری

۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کے "ہماری زبان" کے شمارہ میں سعدی دکنی پر راقم کا ایک مختصر مضمون شائع ہوا ہے اس مضمون کی ترتیب کے وقت "تاریخ الیقین" مطبوعہ حضرت شاہ بھکاری الصوفی ۔۔۔۔ ہم کو نظر

نہ تھا۔ لہٰذا اصل عبارت کے عبارت ترجمہ سے عبارت نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا تھا۔

فارسی عبارت درج ذیل ہے۔

"در مقام دشتر بود ہیبجی یک اژدر و یک شیر کلاں ساکن بود چون آن مقام سلطان العارفین حضرت شاہ قدس سرہٗ مرحمت شد۔ حضرت شاہ آمدہ آن اژدر را گفت ۔ اے اژدر! ایں مقام بنام فقیر شدہ است۔ تو رفتہ در بر ساکن باش۔ آں اژدہ بحکم ایشاں رفت۔

بعد ازاں شیر در زیر درخت انجن ساکن بود۔ حضرت شاہ آں را فرمود کہ اے شیر! حالا ازیں جا برو۔ جائے تو بر است و خدمت حضرت شیخ سعدی بکن۔ کہ ایں جا شہر آباد خواہد شد۔ شیر در ہماں وقت در بر رفت و بخدمت روضۂ متبرکہ حضرت شیخ سعدی می آمد" (ورق ۱۴ قلمی)

(مخطوطہ مملوکہ جناب بشیر محمد خاں صاحب۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی علیگ)

اقتباس بالا کی یہ حکایت بالکل عجیب معلوم ہوتی ہے مگر اہل باطن کے یہاں یہ انوکھی بات نہیں۔ یہ ایک معمولی واقعہ ہے۔ اہل ظاہر کو اسے تصوف کی خصوصی شان یا روح سمجھنا چاہئے۔

سعدی دکنی؟

از ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

"ہماری زبان" کے شمارہ ۸ر ستمبر ۶۰ء میں میں نے اپنی ایک یادداشت پیش کی تھی۔ جس کے مطابق اردو تذکروں میں لکھی ہوئی معروف غزل سعدی غزل انگیختم الخ کسی سعدی کی نہیں بلکہ ملا شیری کی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ یادداشت بہت عرصہ ہوا میں نے انجمن ترقی اردو (ہند) کے کتب خانہ کی ایک قدیم بیاض سے لکھی تھی اور اسے کہیں رکھ کر دیا بھولا کہ بالکل ذہن سے نکل گئی تھی۔ اسی لئے اپنے مقالہ دبستان شاعری میں اور اپنے خط مورخہ ۵ فروری ۵۵ء بنام شیخ فرید صاحب برہانپوری میں اس یادداشت کے متعلق کوئی اطلاع نہ دے سکا۔

اب اس غزل کے متعلق یہ تنقیحیں قائم کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ کیا یہ غزل کسی ہندی سعدی کی ہے؟

۲۔ کیا کوئی سعدی ہندوستان میں بھی گزرے ہیں؟

۳۔ اور کیا وہ سعدی شاعر بھی تھے؟

میری یادداشت مذکورہ بالا کے پیش نظر یہ غزل کسی سعدی کی نہیں بلکہ عہد اکبری کے ایک درباری فارسی کے شاعر ملا شیری کی ہے اور اگر یہ بات صحیح ہو تو تمام بحث یہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اردو کے تذکرہ نویسوں نے اسے سعدی دکنی کی غزل بتایا ہے۔ اردو تذکرہ نویسی ہیں ۱۱۶۵ھ سے پہلے نہیں ملتی اس لئے شروع گیارھویں صدی کی وہ بیاض جس میں سے میں نے اپنی یادداشت لکھی اولیت کا شرف رکھتی ہے۔

اب سعدی کی شخصیت کے بارے میں سن لیجئے۔ ہندوستان میں دو بزرگ سعدی نام کے گزرے ہیں۔ ایک کاکوری (یو۔ پی) کے کہے جاتے ہیں دوسرے برہانپور کے۔ (بحوالہ مضامین سعدی دکنی۔ ہماری زبان یکم اکتوبر ۵۵ء و سعدی رسالہ سب رس شمارہ ستمبر و اکتوبر ۵۵ء از شیخ فرید صاحب برہانپوری) حکیم شمس اللہ قادری صاحب نے سب سے پہلے اپنی کتاب "تاریخ اردوئے قدیم" (ص ۲۰۱) میں سعدی کو ملا نظام الدین اور عبدالقادر بدایونی اور بختاور خاں کے حوالے سے بتایا کہ سعدی کاکوری کے تھے۔ لیکن یہ بتانا بھول گئے کہ عہد اکبری کے اول الذکر دو مصنفین نے سعدی کو بہ زمرۂ مشائخ شمار کیا ہے شاعروں کی صف میں نہیں۔ البتہ بختاور خاں متوفی ۱۰۹۳ء (صاحب مرأۃ العالم) نے اتنا لکھا ہے کہ:۔

"طبع موزوں داشتے و بہ زبان فارسی و ہندی شعرے نیکو گفتے"

مرأۃ العالم مجھے یہاں دستیاب نہ ہو سکی۔ جس سے میں اندازہ لگاتا کہ بختاور خاں نے کس سعدی کے متعلق یہ جملہ لکھا یا کس حوالے سے لکھا لیکن یہ طے ہے کہ بختاور خاں عہد عالمگیری کے مصنف تھے اس لئے زیادہ قدیم نہیں ہیں۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری (ص ۱۰۶، ۱۰۹ تیج اصلاح لکھنؤ مطبوعہ ۱۹۲۰ء) میں ان کا

(باقی ص ۹ پر)

فیض کی نظم "یاد" کے بارے میں

سلامت اللہ خاں شعبۂ انگریزی عثمانیہ یونیورسٹی

فیض کی نظم "یاد" پر جو اعتراضات "ہماری زبان" (۸۔ اکتوبر) میں کیے گئے ہیں وہ بہت حد تک گمراہ کن ہیں۔ کسی شاعر کی زبان و بیان کی کوتاہی پر نکتہ چینی کرنا بذات خود کوئی غلط بات نہیں ہے لیکن اس قسم کے اعتراضات اکثر غلط جذبے کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ ان اعتراضات کا مقصد زبان و بیان کی صحت کو قائم رکھنا ہوتا ہے اور اس میں تمسخر نہ صرف بے محل ہے بلکہ اس سے نکتہ چیں کے خام تنقیدی شعور کا پتا چلتا ہے۔

فیض کی شاعری کی چند نمایاں خصوصیات فکر کی گہرائی تخیل کی لطافت، بیان کی خود ضبطی اور ٹھہراؤ اور ایک خاص قسم کی فکر انگیز اشاریت (SUGGESTIVENESS) ہیں۔ یہی خصوصیات ان کی شاعری کو ان کے ہم عصروں کی شاعری سے ممتاز کرتی ہیں۔ یہ تمام خوبیاں ان کی نظم "یاد" میں بھی ہیں جس کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ پوری نظم کی تشریح غیر ضروری ہے کیونکہ اس نظم میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے۔ یا قاری پر اثر انداز نہ ہوسکے صرف چند ترکیبوں کی وضاحت کافی ہے۔

(۱) "آواز کے سائے" پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سایہ صرف "کسی جسم کا ہوتا ہے" اگر یہ صحیح ہے تو "خواب و خیال" کی پرچھائیاں کیسے ہوسکتی ہیں؟ خواب و خیال کے بھی تو جسم نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آواز کا تعلق سماعت سے ہے لیکن صرف سماعت تک محدود نہیں ہے۔ ان آوازوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جو تنہائی میں گونجتی یا تیرتی ہیں جیسے بھولے بسرے گیتوں کی موسیقی یا ان لوگوں کی آوازیں جو ہم سے دور ہیں لیکن جن کا لب و لہجہ ہمارے ذہن میں محفوظ ہے یا آپ ضمیر کی آواز کے بارے میں کیا کہیں گے؟ کیا اس کا تعلق بھی سماعت سے ہے؟

میرا خیال ہے کہ "دشت تنہائی" کی مناسبت سے "آواز کے سائے" کا استعمال بہت خوبصورت اور معنی خیز ہے۔ کسی چیز اور اس کے سائے میں مشابہت تو ضرور ہوتی ہے لیکن یہ مشابہت جزئیات میں نہیں ہوتی انگریزی میں یہ کہتے ہیں کہ

HE IS A SHADOW OF HIS FORMER SELF

اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ کسی کی شخصیت میں نمایاں تبدیلیاں ہونے کے باوجود تھوڑی بہت مشابہت اب بھی باقی ہے اور وہ مشابہت اس شخصیت کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے ہم مانوس تھے یا جس سے ہماری بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ اسی طرح فیض نے "آواز کے سائے" سے یہ بات واضح کی ہے کہ محبوب کی آواز جو شاعر کے تخیل میں گونج رہی ہے وہ وہی جانی پہچانی آواز ہے جسے کبھی سن کر کانوں میں رس پڑتا تھا۔ وقت کے فاصلے اور محبوب کی دوری سے وہ آواز اب مبہم سی ہے (یا اس آواز کا سایہ ہے جو انھوں نے کبھی سنی تھی) جگر کا یہ شعر:

دو یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

اسی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ شیلے نے (ADONAIS) میں (سطر ۱۳۳) آواز کے سائے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

.... SHE PINED AWAY
INTO A SHADOW OF ALL SOUNDS: A DREAR
MURMUR BETWEEN THEIR SONGS ...

(۲) "ہونٹوں کے سراب" سراب کے معنی فریب نہیں ہے بلکہ فریب نظر ہے جو شعاعوں کے انعطاف (REFRACTION) سے پیدا ہوتا ہے۔ سراب ان چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جن کا بظاہر وجود ہوتے ہوئے بھی حقیقتاً وجود نہ ہو۔ "ہونٹوں کے سراب" سے مراد ہے محبوب کے وہ ہونٹ جو فیض تخیل کی رو سے دیکھتے ہیں لیکن دراصل جو جسمانی حد پر موجود نہیں ہیں (یعنی جو ہوتے ہوئے بھی نہیں ہیں!) وہ ہونٹ جو فیض نے کبھی شاداب دیکھے تھے۔ محبوب سے جدا ہوکر اُن کے تخیل میں نظر آتے ہیں لیکن ان کی حقیقت سراب کی سی ہے۔ اسی خیال کو فیض نے اپنی معرکۃ الآرا نظم "ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے" میں اس طرح ادا کیا ہے:

سولیوں پر ہمارے لبوں سے پرے
تیرے ہونٹوں کی لالی لپکتی رہی
تیرے ہاتھوں کی چاندی دمکتی رہی
تیری زلفوں کی مستی برستی رہی (باقی)

براہ کرم خط و کتابت صرف جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کے نام سے کیجیے۔ (منیجر)

اردو دنیا

ٹونک میں یوم اختر

جناب منظور الحسن صاحب برکاتی سکریٹری انجمن ترقی اردو ٹونک اطلاع دیتے ہیں کہ ۲۳۔ اکتوبر کی رات کو یہاں اردو کے مشہور و مقبول رومانی شاعر اختر شیرانی کی یاد میں یوم اختر منایا گیا۔ جلسہ کی صدارت اختر شیرانی کے ہمدم دیرینہ ابو العرفان مولانا محمد حبیب اللہ خاں صاحب نفائی نے فرمائی۔ جلسہ کی پہلی نشست میں جناب منظور الحسن برکاتی جناب مولانا سید حامد علی صاحب نقوی ماتھر پروفیسر حامد رشید خاں صاحب نے اپنے اپنے مقالات پڑھے۔ دوسری نشست میں نظموں کے دور کا آغاز کیا گیا جس میں شریک محفل کے کلام کے علاوہ اختر مرحوم کی چند پسندیدہ نظمیں پڑھی گئیں۔ مولانا نفائی نے اپنی صدارتی تقریر میں ٹونک کے ساتھ اختر شیرانی کی محبت و شیفتگی ان کی عذرا و سلمیٰ کا ذکر کیا اور پروفیسر محمود شیرانی کی شخصیت پر بھی تبصرہ فرمایا۔

شیو راج بہادر

ہیں سر افگندہ سرافرازانِ فن تیرے لئے
ماتمی ہے انجمن کی انجمن تیرے لئے

ہے شرابور اشکِ غم میں جامۂ ہستی کی آہ
دیدۂ تر ہے بنا ہر موئے تن تیرے لئے

بزم دہلی بن گئی ہے اک صفِ ماتم تمام
رو رہی ہے آج تہذیب کہن تیرے لئے

شیوۂ خلق و خلوص عام تھا مخصوص ذات
خاص تھا مہر و مروت کا چلن تیرے لئے

تیرے غم میں ہو گئی نالہ سرا بزم سرود
نوحہ گر رہنے لگے ہیں نغمہ زن تیرے لئے

ہیں ترے احباب افسردہ حیات و تلخ زیست
اے شگفتہ چہرہ و شیریں سخن تیرے لئے

ساحلِ جمنا کا وہ نظارۂ آتش فشاں
تھا شبِ مہتاب میں صحنِ چمن تیرے لئے

چاند تجھ پر کر رہا تھا بارشِ انوارِ سرد
جب چتا تیری ہوئی شعلہ فگن تیرے لئے

اب کسے روئیں گے ہم رکھتے بھی کس کے واسطے
ختم کر ڈالے ہیں سب رنج و محن تیرے لئے

شام کو ساغر کھنک اٹھتے تھے تیرے واسطے
صبح کو کھلتے تھے گلہائے چمن تیرے لئے

تو اٹھا رکھتا تھا جام مے ہمارے واسطے
جمع کر رکھتے تھے ہم شعر و سخن تیرے لئے

تو نے کتنی قیمتیں دے کر خریدے عمر بھر
اشکِ غم لوگوں کے تھے زیبِ بدن تیرے لئے

بسمل محزوں پرو کر تارِ اشک و آہ میں
نذر کو لایا ہے گلہائے سخن تیرے لئے

بسمل سعیدی (دہلی)

بنگالی ہندی کی کشمکش

اخبار الجمعیۃ اپنے اداریہ مورخہ ۲۳ اکتوبر میں رقمطراز ہے کہ بنگالی بھاشا سمیتی نے مرکزی اور ریاستی حکومت سے لسانی کمیشن کی ہندی سفارشوں کے خلاف سخت احتجاج کیا ہے اور حکومت کو متنبہ کیا ہے کہ لسانی کمیشن کی رپورٹ کے منظور کئے جانے کی صورت میں سارے بنگال میں ہندی کی مخالفت بھڑک اٹھے گی۔ کمیشن کی سفارشوں سے علاقائی زبانوں کی ترقی و توسیع کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

تعلیم بالغان کا افتتاح

انجمن سراج ادب گورکھپور کے زیر اہتمام ایک جلسہ مدرسہ اسلامیہ امداد العلوم بیسرا پور گورکھپور میں بتاریخ ۲۴ اکتوبر منعقد ہوا جس میں تعلیم بالغان کا افتتاح کیا گیا۔ جلسے کی صدارت حافظ عبدالعزیز صاحب نے کی۔

ڈالٹین گنج

(بہار) میں مشاعرہ سید اسمٰعیل نقوی صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ڈالٹین گنج پلاموں بہار میں ۱۰۔ اکتوبر کی شب میں مقامی شعرا کی ایک نئی انجمن منعقد شعر و سخن کا غیر طرحی مشاعرہ منعقد ہوا جس میں طلبہ اور کثیر متعلق اساتذہ نے شرکت کی۔ مشاعرے کے آخر میں حضرت مجبور شمشی نے شاعروں کی اہمیت اور ادب کے تعمیری مقاصد پر ایک مختصر تقریر فرمائی۔

ہماری زبان کی سالانہ قیمت تین روپے جو منی آرڈر سے موصول اور وی پی سے منگوانے پر مزید ۱۳ آنے ہے۔

انجمن کی خبریں

وزیر تعلیم پنجاب کا خط

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو پنجاب جناب ادم پرکاش صاحب کے خط کے جواب میں وزیر تعلیم پنجاب جناب امر ناتھ ودیا النکار نے حسب ذیل جواب دیا ہے:

آپ کا ۲۰ اگست کا لکھا ہوا خط مجھے مل گیا تھا لیکن سہو نظر کی وجہ سے جواب نہ دیا جا سکا جس کا افسوس ہے۔ آپ کے خط کے جواب میں یہ عرض ہے کہ حکومت پنجاب کو اردو زبان کا پورا لحاظ ہے اور وہ اس کو جائز مقام سے ہٹانے کی کوشش میں کبھی شریک نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ پنجاب میں لوگوں کی کثیر تعداد اردو لکھتی پڑھتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہندی پنجابی کی نزاعی بحثیں تقریباً مجموعی طور پر اردو زبان میں اور اردو پریس کے ذریعہ کی جاتی ہے جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اب بھی پنجاب میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد دوسری زبانوں کے مقابلے میں اردو پڑھنا پسند کرتی ہے۔ زبان کا استعمال زیادہ تر خود عوام کی خواہشات پر مبنی ہے اور حکومت کی [illegible] کو عوام کی مطلوبہ زبان میں ہی چلانے کی [illegible]۔ مجھے اس بیان سے اتفاق نہیں ہے کہ پنجاب میں اردو کو ختم کرنے کی کوئی کوشش ہے لیکن والدین کی خواہش [illegible] اردو کی تعلیم کا کوئی مستقل مطالبہ نہیں ہے [illegible]۔ اس لیے میں تجویز کروں گا کہ آپ [illegible] عوام کی تائید حاصل کرنے کی سخت کوشش کریں۔ حکومت اور اس کے محکموں کو اردو تو کیا کسی زبان سے بھی [illegible] تعصب نہیں ہے۔ وہ دوسری قومی زبانوں کے ساتھ ساتھ اس کی ترقی میں اعانت کرنے کے لیے ہمیشہ طرح تیار ہے۔

صدر انجمن ترقی اردو دیگلور کو صدمہ

انجمن ترقی اردو دیگلور کے صدر عزیز جناب [illegible] صاحب وکیل کے چھوٹے بھائی اور ان کی ہمشیرہ کو بعض نامعلوم اشخاص نے نہایت وحشیانہ طریقہ پر قتل کر دیا ہے۔ اس حادثہ سے پورے دیگلور کو صدمہ پہنچا ہے۔

غزل

کیوں ہمارے رنگ بو مانگیں کسی محفل سے ہم
محفل بہ صد چمن ہیں اپنے خون دل سے ہم

راستے میں خود فریبی کی وہ دل کش منزلیں
جلوہ گاہ ناز تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم

مشرب ارباب دل سے جیسے واقف ہی نہیں
ہیں گلہ سنج تباہی عشوہ قاتل سے ہم

تجھ میں [illegible] تو کرم گستر گماں [illegible] ذرا پوچھ
کیا خیال آیا کہ اٹھ آئے تری محفل سے ہم

انجمن ہے دہر کی تاریک تو کچھ غم نہیں
ضو لیے بخشیں گے اختر جلوہ ہائے دل سے ہم

اختر نہری

گورنر آندھرا پردیش کو یادداشت

جناب بھیم سین سچر گورنر آندھرا پردیش محبوب نگر تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر صدر انجمن ترقی اردو شاخ محبوب نگر آندھرا پردیش محمد عبدالرزاق خاں صاحب صوفی ایڈوکیٹ نے ایک یادداشت پیش کی کہ حکومت تعلیم اور ترقی کے موقعوں پر اردو دان طبقہ کی حوصلہ افزائی کا خیال رکھے۔ ابتدائی مدارس میں اردو کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے پس پشت ڈالا جا رہا ہے اکثر مدارس میں اردو کتب خانوں کو ختم کیا جا رہا ہے اور اردو کتابوں کی خریداری بند کر دی گئی ہے۔ محبوب نگر میں بیسک ٹریننگ اسکول کھولا گیا ہے جو تلگو زبان جاننے والوں کے لیے محدود ہے اس میں اردو جاننے والے مدرسین کا بھی انتظام کیا جائے۔ حکومت کے اعلانات [illegible] عدالتوں کی اطلاعیں اور اداروں کی [illegible] انگریزی اور تلگو کے ساتھ اردو میں بھی شائع کی جائیں۔ شاہراہوں [illegible] عدالتوں اور دفاتر کے [illegible] کی تختیاں اردو زبان میں بھی آویزاں کی جائیں۔

صفحہ ۱ سے آگے [illegible]

موجودہ ہندستان میں اردو کے مسائل

(بہ سلسلہ گذشتہ)

ڈاکٹر مسعود حسین خاں

اس کے بعد ۱۹۴۷ء آیا اور ہندستانی زبان کا خواب نئی حقیقتوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ اس کو ایک رشی ایک پنڈت اور ایک مولانا کی نیک نیتی بھی نہ بچا سکی اس لئے کہ یہ سیاست کا عطا کردہ نعرہ تھا جس کی کوئی لسانیاتی بنیاد نہ تھی اور آزادی کی تشکیل کے لئے اس کا کوئی مؤید نہ تھا۔ چنانچہ انہیں لوگوں نے جنھوں نے قوم کو نصف صدی تک ہندستانی کا خواب دکھایا اپنے قلم سے دستور میں یہ لکھا۔

"ہندستان کی سرکاری زبان ہندی ہو گی جو دیوناگری رسم خط میں لکھی جائے گی۔"

دستور کی رو سے اردو ہندوستان کی ان چودہ زبانوں کی فہرست میں شامل ہے جن کا اس میں ذکر کیا گیا ہے اس فہرست میں سنسکرت کے علاوہ اردو واحد ایسی زبان ہے جو کسی یکجائی علاقے میں نہیں بولی جاتی۔ لیکن اردو اور سنسکرت کو ایک ہی توزین میں رکھنا غلط ہے، اس لئے کہ سنسکرت ایک مردہ زبان ہے ہرچند کہ ہند آریائی السنہ کے ارتقا کے لئے اس کی حیثیت مسلم ہے اس کے برعکس اردو کے نام لیوا کروڑوں کی تعداد میں پنجاب سے لے کر بہار اور مدھیہ پردیش سے لے کر حیدرآباد تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن اردو کی حیثیت اس بے ملک کے تاجدار کی سی ہے جس کے بارے میں سب طنزاً پوچھتے ہیں کہ ظل حضرت آپ کی ریاست کہاں ہے؟ اردو اس حیثیت سے تاریخ لسانیات کا ایک دلچسپ معمہ بن گئی ہے۔ ہمدگر السنہ کی مثالیں سوئٹزر لینڈ، کناڈا اور یوگوسلاویہ میں بھی ملتی ہیں۔ لیکن ان ممالک میں ہر زبان کا علاقہ علیحدہ ہے اس لئے کل ملک کی زبان کے انتخاب میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے لیکن علاقائی تنظیم میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ اس کے برعکس ہندوستان کی ایک تحصیل (یا ضلع) بھی ایسی نہیں جہاں اردو بولنے والوں کی اکثریت ہو اور جب اردو بولنے والوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو صرف اقرار باللسان کرنے والوں کو شمار نہیں کیا جاتا۔ اقرار بالقلب پیش نظر ہوتے ہیں۔ کیونکہ اول الذکر حیثیت سے اس کے حلقے میں بہت بڑی تعداد آجاتی ہے جب کہ موخر الذکر کی تعداد محدود ہے۔ ایسے جو اردو کے ذریعے اپنے بچوں کو تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اور اس کے تحفظ کے لئے جدوجہد میں شریک ہوں۔

اس لسانیاتی انتشار نے اردو زبان کے رہنماؤں کی فکر کو پیچیدہ تر بنادیا ہے۔ بعض لوگ جذب کے عمل کو حجت تمام کے طور پر پیش کرتے ہیں، وہ دانش کے آئینے میں فردا کو دیکھتے ہیں۔ ان کے نقطۂ نظر کو تقویت تاریخ لسانیات کے ان شواہد سے ملتی ہے جو اکثریت کی باریک پیسنے والی چکی کو مستقبل کا مقدر بنا دیتے ہیں۔ ان لوگوں میں پھر دو گروہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے جو ہندی کو فی الفور اختیار کر لینے کے مؤید ہیں اور ایسے جو جذب کے کرب اور اس کی لذتوں کو طویل تر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خیال میں اردو کی موت برحق ہے اس کے لئے صرف لمحہ فرصت درکار ہے۔

لیکن اردو سماج عام طور پر اس انداز میں نہیں سوچتا یہ مرض مضطر رکھنے والا گروہ حقیقتوں کو کیفیات دل سے حل کرنا چاہتا ہے۔ پرانی اقتدار کی شکست و ریخت پر اس کے یہاں وہ احساس کرب و عزم ملتا ہے جو تاریخ کے دھارے کے مقابل میں فصیلیں اور خندقیں تعمیر کرتا ہے تمدنی معاملات میں اس عزم اور جذبۂ بے اختیار کو یکسر بے معنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لسانیاتی نقطۂ نظر سے مختلف زبانوں کے تصادم کا انجام حسب ذیل شکلیں اختیار کرتا رہا ہے۔ بعض اوقات کل علاقہ غالب زبان کو اختیار کر لیتا ہے جیسا کہ رومن ثقافت

حلقہ ادب علی گڑھ

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے مقالے پر تبصرہ

(بہ سلسلہ گذشتہ)

اس کے بعد ڈاکٹر اشرف صاحب نے تقریر کی اور فرمایا کہ اردو کا سوال قومی اتحاد کے سوال سے وابستہ ہے۔ اردو کو دوسری زبانوں پر اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس نے صدیوں کی تہذیب کو جذب کیا ہے اور ہندوستان کے بے شمار باشندوں کے بہترین حسیات کی ترجمان ہے۔ خوش قسمتی سے ۱۰ سال پیشتر کے مقابلے میں آج حالات بہت بہتر ہیں اردو کو ہندوستان کی ایک مستقل علاقائی زبان تسلیم کیا جا چکا ہے جن صوبوں کی مادری زبان ہندی نہیں ہے وہاں لوگوں میں ہندی کے جارحانہ تسلط کے خلاف بیزاری کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے۔ اب اردو کی مخالفت میں وہ شدت باقی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ ہمیں چاہیے کہ ان موافق حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

سب سے آخر میں صدر جلسہ ڈاکٹر سید عابد حسین نے ایک مفصل اور مدلل تقریر فرمائی جس میں انھوں نے کہا کہ اردو اور ہندی دونوں کی بنیاد کھڑی بولی پر ہے اور اردو کی ابتدا بول چال کی زبان کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ زبان کے ابتدائی دور میں اردو پر فارسی اور عربی زبان کا اثر تھا اور ایک حد تک اس پر اسلامی تہذیب کی چھاپ

گال کے علاقہ میں لاطینی کو لے کر گئے اور وہاں کی کیلٹک زبان کو ختم کر دیا۔ یا شمال مغربی ہندوستان کے مدنی سے آریہ قبائل ۱۵۰۰ ق م کے قریب اس ملک میں داخل ہوئے اور شمال ہند کی دراویدی اور آسٹرک زبانوں کو مسخر کر لیا۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مغلوب زبان کسی بڑے سیاسی اور تہذیبی انقلاب کی کروٹ کے بعد تمام علاقے کی زبان بن جائے جیسا کہ نارمن فرنچ کی مثال سے ظاہر ہے جو انگلستان میں نارمن فتوحات کے ساتھ ۱۰۶۶ء میں داخل ہوئی۔ لیکن انگریزی کے سیلاب میں تین سو سال کے عرصے میں عدیم الوجود ہو گئی۔ پہلی صورت ہندوستان میں کبھی بھی ممکن نہ ہو سکی۔ اسی لئے دو تہذیبوں کے تصادم کا سمجھوتہ ایک آمیختہ زبان اردو میں نکلا۔ دوسری صورت یعنی مغلوب زبان کا غلبہ۔ اس وقت درپیش ہے۔ یوپی بہار، حیدرآباد اور دیگر علاقوں میں غالب زبان کے خلاف سخت قسم کا ردعمل ہے نئی ہندوستانی قومیت نے ہندی اور اس کے پردے میں سنسکرت کے احیاء کو دستوری دفعہ کے تحت بیڑا اٹھا لیا ہے۔ ہندی اس وقت عربی، فارسی عناصر کو صرف تہذیبی بلکہ دین کی سطح تک قبول کرنے کو تیار ہے اس کے مستند ادیبوں نے عربی فارسی آوازوں کو خارج از ہندی قرار دے دیا ہے۔ اردو رسم خط کو حروف القرآن کہہ کر اس پر فرقہ پرستی کا الزام پہلے سے قائم تھا۔ اب صرف و نحو کی سطح پر عربی فارسی کے جو قلم لگائے گئے تھے ان پر [illegible] کا الزام ہونے لگا ہے انشاء اللہ خاں کی رانی کیتکی کی کہانی، جس میں ہندوی چھٹ دوسری زبان کی پٹ نہ آنے پائے، کا التزام رکھا گیا ہے ترکیب نحوی اور جملوں کی ساخت کے لحاظ سے مستند ہندی نثر کا نمونہ نہیں سمجھی جاتی۔ غرض کہ اس وقت ہندوستان میں بیرونی لسانی اثرات کے خلاف اسی قسم کا محاذ لگا ہے جیسا کہ ایرانیوں نے عہد جدید میں عربی کے خلاف کیا، یا جرمنوں نے لاطینی اور فرانسیسی الفاظ کے خلاف کیا تھا۔

(باقی)

تھی لیکن یہ صورت حال کسی شعوری کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا ایک فطری اور لازمی نتیجہ تھا۔ میرے خیال میں اردو سے تعصب اور مخالفت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس زبان کو مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی غلبہ کی نشانی تصور کیا جاتا ہے۔ شروع میں جب یہ تحریک ہوئی کہ سرکاری کاغذات ناگری رسم الخط میں لکھے جائیں تو اردو والوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ اس وجہ سے ہندی والوں کی ضد اور بڑھ گئی۔

کانگریس کے عروج سے پہلے ہندی اپنی ایک الگ ادبی حیثیت اختیار کر چکی تھی لیکن روزمرہ کی بول چال اور عام خیالات کے اظہار کے لئے جو زبان استعمال کی جاتی تھی اس میں سنسکرت کے الفاظ کا غلبہ نہیں ہوتا تھا۔ سنسکرت نما ہندی کا چلن ساہتیہ سمیلن کی نیم سیاسی نیم لسانی تحریک سے بڑھا۔ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ جب تک ہم ہندی سے فارسی عربی الفاظ خارج کر کے اس کا ایک الگ ڈھانچہ نہ بنائیں گے اس وقت تک اس پر اردو کا تسلط رہے گا۔ ساہتیہ سمیلن سے پہلے ہندی کی تحریک خالص تہذیبی تحریک تھی لیکن اس سوسائٹی نے سیاسی بنیادوں پر سنسکرت کو ہندی پر غالب کر دیا تاکہ مسلمانوں کی تہذیب کا اثر بالکل ختم ہو جائے۔

یہ تھی صورت حال ۱۸ سال پہلے جب کانگریس کی دوبارہ حکومت قائم ہوئی اور اب یہ صورت ہے کہ یوپی اور پنجاب کے اُن پڑھے لکھے باشندوں میں بھی جن کی زبان اردو ہے ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اگرچہ نہ ہندی جانتے ہیں نہ ناگری پڑھ سکتے ہیں پھر بھی تہذیبی اور جذباتی بنیادوں پر اردو کو چھوڑنا چاہتے ہیں اور اپنی اولاد کو یہ زبان نہیں پڑھانا چاہتے۔ اگر یہ تحریک کامیاب ہو گئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اردو کچھ مدت کے بعد صرف مسلمانوں کی زبان کی حیثیت سے باقی رہ جائے گی۔ اس وقت اردو والوں کے لئے دو راستے ہیں ایک تو یہ کہ مسلمان اسے صرف اپنی زبان کی حیثیت سے باقی رکھیں دوسرا یہ کہ شعوری طور پر اردو کو ہندی کے قریب لانے کی کوشش کی جائے۔ میری رائے میں ہندی کی تشکیل اور ترقی میں جو ناخوشگوار صورت پیدا ہو گئی ہے مسلمانوں کو پورا پورا حصہ لینا چاہئے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اردو کتابیں ہندی رسم خط میں شائع کی جائیں اور اردو کو بول چال کی زبان سے قریب لایا جائے۔ ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہم اردو میں عربی فارسی کے الفاظ کے بجائے ان کے ہم معنی ہندوستانی الفاظ استعمال کریں۔ ہمیں اپنی تحریر و تقریر میں عربی ترکیبوں اور عربی جمع وغیرہ سے پرہیز کرنا چاہئے جس حد تک ہم اردو کو بول چال کی زبان سے قریب لائیں گے اتنا ہی اس کی مقبولیت بڑھے گی۔

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے آگے چل کر فرمایا کہ موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہمیں ہندی تو سیکھنا ہی چاہئے اور اپنی اولاد کو بھی پڑھانی چاہئے لیکن ساتھ ہی ساتھ انہیں اردو کی بھی تعلیم دینا چاہئے۔

ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اب سے پچاس ساٹھ سال بعد کیا نقشہ ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہندی زبان اپنا رجحان بدلے گی اور ہندی کے مشترک سرمایہ کو اپنا لے گی، اردو اور کھڑی بولی کے آسان محاوروں اور عربی فارسی کے عام فہم الفاظ کو قبول کرے گی تو اردو کا بھی قدرتی رجحان یہ ہوگا کہ وہ ہندی کے زیادہ قریب آ جائے اور مجھے یہ بات ناممکن نہیں نظر آتی کہ ۵۰-۶۰ برس کے بعد دونوں زبانیں ایک ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر رسم خط کا معاملہ زیادہ اہم نہیں رہتا۔ اگر مسلمان قرآن پڑھتے رہیں گے اور ان کا رشتہ دوسرے اسلامی ممالک کے باشندوں سے قائم رہے گا تو عربی اور ہندی دونوں رسم خط میں اردو لکھی جانے لگے گی۔

جناب صدر کی تقریر کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

مسعود علی ذوقی معتمد اعزازی حلقہ ادب

(اقبال احمد پرنٹر و پبلشر نے مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن علی گڑھ سے شائع کیا)